ہیں، یہاں تھیٹر ہیں جہاں کام کے مختلف پہلوؤں پر اصلاحی طنز ہوتا ہے، یہاں ایسے کازینو ہیں جہاں رات کو ناچ گانا، اور جسم فروشی ہوتی ہے۔ یہاں کئی بڑے اور دل چسپیوں سے بھرے متاحف ہیں اور ایک بہت اچھا زُو (چڑیا گھر) ہے جس میں دنیا بھر کے چرند، پرند اور درندے، سانپ اور بچھو جمع کر دیے گئے ہیں، ایک "حدیقۃ الاسماک" ہے جہاں نہایت عمدہ لانوں اور پھولوں کے درمیان رنگ برنگی مچھلیوں کے تالاب ہیں، یہاں بہت سے چاء خانے ہیں جہاں یار دوست مل بیٹھتے ہیں، یا محبوب شامیں گذارتے ہیں، یا چوٹ کھائے دل قہوہ کی پیالی اور سگرٹ کے دھوئیں اور آنے جانے والی صورتیں دیکھ کر غم غلط کرتے ہیں۔ مغرب سے ایک گھنٹہ پہلے قاہرہ کے پارکوں میں بہت سی عورتیں، لڑکیاں اور بچے جمع ہو جاتے ہیں بچے کھیلتے کودتے ہیں، لڑکیاں اپنی ہمجولیوں سے، عورتیں اپنی سہیلیوں، شوہروں اور بھائیوں سے ہم کلام ہوتی ہیں، یا اُن ختم نہ ہونے والے قافلوں کو دیکھ کر دل بہلاتی ہیں جو اُن کے آس پاس کی سڑکوں سے برابر گذرتے رہتے ہیں۔ مصر کی موجودہ حکومت نے نیل کے کنارہ میلوں تک ایک خوشنما جنگلا بنوایا ہے جس سے متصل ایک وسیع چبوترہ ہے جس پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تپھر کی بنچیں، سبزہ اور پھول کے تختے ہیں اور سال بھر سبز رہنے والے درختوں کی سیدھی قطاریں، نیل کے کنارہ میلوں تک پھیلے اسی چبوترہ کا نام کورنش ہے، یہاں شام کو بڑی رونق رہتی ہے اور گرمی کے دنوں میں تو میلہ سا لگا رہتا ہے جس میں عورتیں اور بچے زیادہ ہوتے ہیں۔ قاہرہ کی آبادی تیئس لاکھ ہے لیکن یہاں سائکل اور گھوڑا گاڑی نہ ہونے کے برابر ہے۔ شاید سو میں دو آدمی بھی سائکل نہ چلاتے ہوں۔ عوام کے دو بڑے مصنوعی پیر ہیں: ایک ٹرام اور دوسرا بس، پیسے والے اور ایسے بہت ہیں ذاتی موٹریں رکھتے ہیں جو ایسا معلوم ہوتا ہے سارے قاہرہ میں بھری ہوئی ہیں۔ موٹر اور پیٹرول دونوں کی قیمت قاہرہ میں کم ہے۔ سارے شہر میں ٹرام کا جال پھیلا ہوا ہے، ہر ٹرام میں بالعموم دو ڈبے ہوتے ہیں، ایک تیسرے درجہ والوں کے لئے، دوسرا پہلے اور دوسرے درجہ کے مسافروں کے لئے، پہلے درجہ میں آرام دہ گدّے ہوتے ہیں، کرایہ ہر فاصلہ کے لئے ایک ہے، پہلے درجہ کا تین سو اتین آنے، دوسرے کا دو آنے، تیسرے کا ایک آنہ، یہ کرایہ دے کر چاہے آپ ٹرام کے ایک ٹرمی نس سے دوسرے تک سفر کیجئے جو کم از کم پانچ چھ میل ہوتا ہے یا ایک دو فرلانگ کا

ٹرامیں اتنی زیادہ چلتی ہیں کہ بھیڑ کے مواقع کم پیدا ہوتے ہیں، اسکول، کالج اور دفتر کو جانے اور وہاں سے لوٹنے کے وقت یا شام کو جب سیر و تفریح کا دور شروع ہوتا ہے ٹراموں پر کم اور بسوں میں زیادہ رش ہو جاتا ہے۔ بس سروس ٹرام سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے، بسیں ان محلوں اور راہوں سے بھی گذرتی ہیں جہاں ٹرامیں نہیں جاتیں یا جہاں گذشتہ پندرہ بیس سال میں نئی بستیاں اُبھر آئی ہیں۔ بس سروس منظم اور باضابطہ ہے لیکن بعض وقت بسوں میں پریشان کن بھیڑ ہو جاتی ہے۔ ہر بس اسٹاپ پر بڑی خوش سلوبی سے لوہے کے رنگے کھمبوں پر شیشہ کی تختیاں لگی ہیں جن پر موٹی سُرخ لکیر سے بس کا راستہ اور کالے خط میں راستہ پر واقع ہونے والے اسٹاپوں کے نام درج ہیں۔ یہ تختیاں رات میں مخفی بلبوں سے منور ہو جاتی ہیں۔ بسیں اور ٹرامیں دونوں دہلی کی بسوں اور ٹراموں سے زیادہ صاف رکھی جاتی ہیں۔ نئی بسیں جرمنی سے آئی ہیں، ان کے انجن پیچھے ہوتے ہیں اور اسپرنگ اتنے لچکدار کہ مسافر بڑے آرام سے سفر کرتے ہیں۔ قاہرہ کی سڑکیں کافی چوڑی ہیں، سڑک کے وسط میں ٹرام کی پٹڑی اور اس سے چڑھنے اُترنے کے لئے پتلے لمبے اسٹاپ اور پٹڑی کے دائیں بائیں سڑک پر ٹریفک کے جانے اور آنے کے الگ راستے ہیں۔ سڑک کے دونوں جانب پیدل چلنے والوں کے لئے فٹ پاتھ ہیں۔ قاہرہ کی بسیں ٹرامیں صبح پانچ بجے سے رات کے ایک بجے تک چلتی ہیں، اتنی رات گئے تک چلنے کی وجہ یہ ہے کہ قاہرہ کے بہت سے باشندے آدھی رات گھروں سے باہر تفریح گاہوں میں گذارتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

ضروری اطلاع

بارہ ہزار احادیث نبوی کا بیش بہا اور قابلِ قدر مجموعہ یعنی صحیح مسلم شریف مترجم مع شرح نووی جو صحت طباعت میں بے مثل اور بے نظیر ہے چھ جلد میں کامل چھپ کر تیار ہو گئی ہے فی جلد قیمت آٹھ روپے محصول ڈاک فی جلد ایک روپیہ چار ہزار سے زائد احادیث نبوی کا قابلِ فخر اور مایہ ناز عدیم النظیر مجموعہ یعنی ابن ماجہ شریف اُردو ایک جلد میں کامل قیمت بارہ روپے محصول ڈاک ایک روپیہ آٹھ آنے یہ دونوں بابرکت کتابیں آج ہی طلب فرمالیجئے ضخیم کتب بار بار نہیں چھپا کرتیں۔

ملنے کا پتہ :- مکتبہ شعیب برنس روڈ کراچی نمبر ۱

"بھوک سے خطرہ ہے!"

از

(جناب شمس نوید صاحب)

سماج اور تمدن کے صدود اربعہ پر ایک ہی تحریر آویزاں ہے "بھوک سے خطرہ ہے!"۔ آبادی کے تمام تر طول و عرض میں عجیب عجیب نیرنگیوں کے ساتھ اس تحریر کی تشریح و ترجمانی ہو رہی ہے۔

• کہکشاں کی طرح خوبصورت چراغاں میں جگمگاتی ہوئی سر بفلک حویلیاں خمیدہ جھونپڑوں سے سراسیمہ نظر آتی ہیں کہ مبادا وہ ایک بے پناہ انتقام کے طور پر کسی دن اُن پر طوفانی ظلمتوں کی بوچھار کر ڈالیں! سکوں اور روٹیوں کے ڈھیر سے لدے ہوئے انسان ان فاقہ کش روحوں سے خوفزدہ ہیں جو ان ایوانوں کے نزدیک سے یوں افتاں خیزاں گذر رہی ہیں جیسے موت کے سائے۔ وہ اس لئے "خوفناک" ہیں کہ کہیں ایک دن مجنونانہ بدحواسی کے عالم میں وہ اپنے معدہ کی سالہا سال کی اشتہار کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے دیوانہ وار ٹوٹ نہ پڑیں! یہ روشنی کے بھکاری اور اندھیروں کے لٹیرے انسانیت کے اس متعفن مادہ سے "دو دھاری" خطرہ کی تخلیق کرتے ہیں۔

• اخلاقی جنون رکھنے والے مصلحین اس خیال سے لرزہ براندام ہیں کہ بھوک، ناداری و افلاس کی گود میں گناہ کو جنم دے رہی ہے۔ یہاں تک کہ سلطنتیں اور ریاستیں بھوکوں اور ننگوں کو اس لئے ایک وسیع پیمانہ پر کھلا ہوا خطرہ تصور کرتی ہیں کہ حکومت کے خلاف جب کوئی سیاسی وبا پھیلتی ہے تو یہی لوگ اس کا بدترین شکار ہوا کرتے ہیں۔ آہ زندگی کے اس جھلستے ہوئے "کچھ نہیں" کی تقدیر زبوں! یہ سب سے ڈرتا ہے اور سب اس سے ڈرتے ہیں!۔ یہ خود ہی اندر ہی اندر منجمد ہوا جا رہا ہے مگر دنیا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے "یہ ایک سربستہ آتش فشاں کا دہانہ ہے جو کسی بھی لمحہ ناگہانی طور پر اپنے اندر چھپی ہوئی "آتشِ سیال" کو آزاد کر سکتا ہے اور تباہی کے گوناگوں شعلوں اور چنگاریوں

کی مہیب لپیٹ میں تمدن کے قلب کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر سکتا ہے!"

مصلحین اس محاذ پر ابھرتے ہیں۔ فلسفہ، آرٹ اور سائنس بھوک کے خلاف عرق ریز مہم کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا بہترین سرمایہ پیش کرتے ہیں۔ فلسفہ بھوک کے اسباب و عوامل کو تلاش کرتا ہے سائنس بہترین فصلیں اگانے کی راہیں دکھاتی ہے اور آرٹ انقلاب کی لہروں کو زندگی کے ہر ایک گام تک پہنچاتا ہے ——— بایں ہمہ بھوک جہاں تھی وہیں پر ہے!۔ اگر بمشکل یہ ایک جگہ سے ہٹتی ہے تو دوسری جگہ پر متمکن ہو جاتی ہے۔ اگر اس کی ایک صورت پر قابو پا لیا جاتا ہے تو یہ دوسرا روپ دھارن کر لیتی ہے۔ کچھ ملک ایسے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے بھوک کو اپنی سرحدوں سے باہر نکال دیا ہے اور وہ اس دعوے میں بالکل سچے بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کی طرف سے ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں کہ اگرچہ وہاں بھوک کا دور دورہ نہیں مگر وہ "خطرات" جو وہ اخلاقی انحطاط، روحانی خودکشی اور فرد کی سیاسی پائمالی کی صورت میں اپنے پیچھے چھوڑ آئی ہے وہ ضرور زندہ اور موجود ہیں۔ جہاں بھوک کی جگہ اس قدر "نگلنے والے جبڑوں" نے لے لی ہو وہاں بھوک کو جلاوطن کرنے کے دعوے میں کیا دل کشی باقی رہ سکتی ہے! ایسی مثالوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھوک اپنا کام کر چکی اور تباہ شدہ علاقہ کو خیرباد کہہ دیا! یہ تو فائدہ کم ہے اور نقصان زیادہ۔

مدت دراز سے بھوک کا مسئلہ انسانی عقل و شعور کو پیچ و تاب کھلاتا رہا ہے۔ فکر کی نو بنو سطح پر بھوک پھیلنے کی مختلف وجوہات کا سراغ لگایا گیا ہے۔ ان میں سے وہ چند وجوہات جو سب سے زیادہ معقول اور اہم تسلیم کی گئی ہیں یہ ہیں :-

۱- زمین کی زرخیزی اور تباہی | زمین پر بار بار کاشت کرنے، فصلوں کی تباہی اور جنگلوں کی قطع و برید کر کے ان کی جگہ نئی نئی شہری تعمیرات پھیلانے سے زمین کی زرخیز فطرت کو جو صدمات پہنچے ہیں ان سے پیداوار کے زوال اور اس سے بھوک کے پھیلاؤ کا نقطۂ نظر قایم کیا جاتا ہے۔ "سر جان ہائیڈاور" نے اپنے ایک مضمون میں جو ڈیلی میل لندن کے اولین صفحات پر شائع ہوا ہے اس ضمن میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:-

"کاشت شدہ زمینوں کی قوت نمو کی تباہی سے زرخیزی کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس نے صورت حال کو

نازک سے نازک تر بنا چھوڑا ہے۔ قدرت کو زرخیز اور قابل کاشت زمین کا ایک انچ حصہ دوبارہ بحال کرنے میں پانچ سو سال درکار ہوتے ہیں۔ انسان اپنے غلط استعمال کی بدعنوانی سے آٹھ انچ زمین کو دو تین پشتوں اور نسلوں میں خراب کر دیتا ہے۔

جب سے نوع انسان نے بڑے بڑے شہر تعمیر کرنا شروع کئے ہیں ٹھیک اسی وقت سے زمین کی تباہی کا سلسلہ جاری چلا جا رہا ہے۔ جنگل کاٹ ڈالے گئے اور ان کی لکڑی شہر کے ایندھن اور تعمیراتی ضرورتوں کے لئے سپلائی کر دی گئی۔ اور جو زمینیں شہروں کے بالکل متصل تھیں ان پر کاشتکاری نے ضرورت سے زیادہ کاشت کا بوجھ ڈال دیا تاکہ اس طرح شہر میں غذا کی ضرورت پوری کی جا سکے۔"

۲۔ آبادی میں اضافہ | ماہرین حیاتیات کا اندازہ ہے کہ دنیا کی آبادی روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کی مردم شماری تمام دنیا میں ہر دس سال کے اندر پندرہ کروڑ کے حساب سے ضرب کھاتی ہوئی بڑھ رہی ہے اگر امراض اور وباؤں سے واقع ہونے والی اموات پر کامیابی کے ساتھ قابو پایا جا سکے تو یہ دس سالہ اضافہ ایک ارب کے پیمانہ پر چل پڑے گا۔ محولہ سابقہ مسٹر آڈر کے اسی مقالہ کے الفاظ میں "آبادی کا بڑھتا ہوا دھارا اور زمین کی زرخیزی کا گرتا ہوا ذخیرہ ہماری تہذیب کے لئے عظیم ترین خطرہ بن کر رہ گیا ہے۔"

۳۔ دولت کی غلط تقسیم | بھوک کی آتش فشانی کے سلسلہ میں یہ "تازہ ترین" زاویۂ خیال ہے جو انقلابی زور کے ساتھ سماجی اقتصادی اعتبار سے پیش کیا جاتا ہے اس نظریہ کے مطابق سماجی زندگی اقتصادیات کے دائرہ میں کمزور پر طاقتور کی لوٹ کھسوٹ اور غارت گری (Exploitation) کے ذریعہ دھیرے دھیرے بگڑتا رہتا ہے بہت سے لوگوں کا خون محنت کے ظالمانہ حقیر اور غیر منصفانہ معاوضہ کے ذریعہ چوسنے کے لئے کچھ لوگ دولت پر قابض ہونے لگتے ہیں اور سرمایہ اندوزی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سماجی اقتصادی ناانصافی اور عدم مساوات کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی خواص اور عوام کے بکھرے ہوئے شیرازہ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور انسانیت کا سحابیہ پھٹ کر سیکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جن کی اکثریت ماتحت سیاروں کی حیثیت سے چند بڑے ستاروں کے گرد گردش کرنے لگتی ہے۔ وہ غالب و حکمراں سرمایہ پرست جو "دولت کو برائے دولت" جمع کرتے ہیں گوشہ گوشہ سے صرف اس لئے دولت کھینچتے ہیں تاکہ اس کو تہ بہ تہ ڈھیر

کرتے چلے جائیں مارکسی اصطلاح میں اس "مردہ سرمایہ" کے اضافہ سے سرمایہ کی گردش جو اقتصادیات کا خون ہے سست ہونے لگتی ہے اور عوامی اقتصادی نشوونما کی رفتار رک جاتی ہے۔ یہیں سے سماجی زوال کا رُخ افلاس اور بھوک کے پھیلاؤ کی طرف تیز ہو جاتا ہے۔

آیئے اب ذرا ان تینوں زاویہ ہائے نگاہ اور ان مسائل کے حل کے لئے انسان کے رائج الوقت اقدامات کا جائزہ لے کر ان کی معنویت و حقیقت کی آزمائش کریں۔ یہ تمام نظریات اگرچہ نظریاتی انداز میں مختلف ہیں لیکن پھر بھی ایک مشترک کوتاہی بصیرت اور کم نگاہی سے دھندلائے ہوئے ہیں۔ پرجوش اور شاید پرخلوص طور پر آگے بڑھتے ہوئے نظریات اس سے پہلے کہ بھوک کے پھیلاؤ کے آخری سبب کو گرفت میں لا سکیں اچانک اور قبل از وقت دھماکے کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں اور بے وقت مرجاتے ہیں!"

۱۔ زرخیزی کی تباہی کیوں؟ | پہلے قدم پر ہم زرخیزی کی تباہی کی بحث کو لیتے ہیں۔ اس اسلوب فکر کے نزدیک شہروں کی تعمیر جدید سے جس کو "غلط استعمال کی بدعنوانی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے زرخیزی کی طاقت کو سنسنی خیز صدمہ اور مہلک نقصان پہنچا ہے۔ لیکن اس کے بعد؟ یہ قدرتی وسائل کی غلط استعمال کی بدعنوانیاں آخر کیوں؟ اس باب میں ایک حرف نہیں کہا جاتا! اس سمت میں مرض کی بنیادی اور آخری وجہ کا کوئی سراغ نہیں ہے! زمین کی قوت پیداوار کے لئے اندھا دھند نظام تعمیرات کو مضرت رساں تسلیم کیا جاتا ہے مگر ہم ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ سوچنے سے ہچکچاتے ہیں کہ کیا ان سنگ و خشت سے سبزہ زار جھلسے ہیں یا انسانی ہاتھوں سے جنہوں نے زرخیز اور قابلِ کاشت زمین کے کھنڈروں پر نئی تعمیرات کی بلند بنیادیں اٹھائی ہیں؟۔

اشتراک عمل کی ضرورت اور انسان کے جمالیاتی رجحانات نے مل کر شہری زندگی اور تمدنی ارتقار کی تعمیر کی ہے۔ قدرت کی سادگی و پرکاری کی فنکارانہ نمایندگی کی سمت میں یہ انسان کا خوبصورت اور لطیف اقدام تھا۔ قدرت نے زندگی اور ماحول کا جو سادہ خاکہ انسانیت کے سامنے رکھا تھا انسان کا جذبۂ تخلیق اس میں رنگ آمیزی کے لئے بے چین تھا۔ کائنات کے خواب کی تکمیل کے لئے قدرت خود انسانی

وجود میں ودیعت کی ہوئی صلاحیتوں کو خوابیدگی سے بیداری کی طرف لانا چاہتی تھی ۔ انسانی جذبات و افکار سے اُبلتا ہوا یہ تہذیب کا دھارا اپنی ہر حیوانی خواہش اور ضرورت کو نفاست اور لطافت ، حسن و جمال اور تعمیر و ارتقار کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے آگے بڑھا ۔ یہ طوفان جس قدر حسین تھا اتنا ہی ہولناک اور پُرخطر بھی تھا ! ۔ کیوں کہ خارجی اور داخلی قوتوں کے درمیان " ہم آہنگی " آسان نہ تھی ۔ ایک طرف فطری حقایق اور قدرتی اقدار کی دعوت تھی کہ آرٹ اور تہذیب کو اس کے سانچہ میں ڈھالا جائے تو دوسری طرف انسانی نفس و جبلت کی جذباتی کشش تھی جو تہذیب کو تصنع اور تکلف کی قدروں پر تشکیل دینا چاہتی تھی ۔ ایک طرف یہ امکان تھا کہ انسانی آرٹ اور تہذیب کی تخلیقی صلاحیتیں فطری قوانین اور آداب زندگی میں خود کو جذب کر دیں تو دوسری طرف یہ خطرہ کہ انسانیت کے تخلیقی جنون میں خود فطرت کا نظامِ حیات گم ہو کر نہ رہ جائے ۔ اس دوسری صورت حال کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ زندگی کا پورا نظام ایک مصنوعی فطرت بن کر رہ جائے جس میں بظاہر وہی حسن و جمال پایا جائے جو فطرت کے تقاضوں میں موجود ہے مگر اندر سوائے ایک مہیب خلا اور کھوکھلے باطن کے کچھ باقی نہ رہے بالکل جس طرح ماحول میں آج چاروں طرف ہم ہزاروں مصنوعی اشیار کی نمایشی تصاویر زندگی کے ہر گام پر آراستہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ حقیقت کی کامیاب ترین نقل کے باوجود خود کوئی مفید حقیقت نہیں ہیں ۔ مذہب — صحیح اور صحت مند مذہب اس خارجی اور داخلی انتخاب کے معرکہ زار میں طبیعات اور مابعد الطبیعات ، مادہ اور روح کو ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہوئے انسانی تخلیقی قوت کو فطری صداقتوں کی شاہراہ پر تیز گام دیکھنا چاہتا تھا مگر تہذیب کے پردہ میں انسانی نفس و جبلت کی طاقت تہذیب و تمدن کے قافلے کو مصنوعی صداقتوں اور خوبصورت منافقت کی سمت میں مسلسل کھینچ رہی تھی ۔ شاید اسی رجحان پر الیکسس کاری نے اپنی کتاب " انسان — ایک راز سربستہ " (Man - the Unknown) میں روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :— " واقعہ یہ ہے کہ محض سائنس اور علم ہمیں براہِ راست کوئی گزند نہیں پہنچاتے ۔ لیکن جس وقت ان کی دل فریب رعنائی ہمارے ذہن پر غالب آتی ہے اور ہمارے خیالات کو " بے جان مادہ " کے دائرہ میں گرفتار کر لیتی ہے تو یہ ہمارے لئے مخدوش ہو جاتے ہیں " تہذیب کی

مصنوعی اور مادہ پرستانہ قدروں کے برخلاف مذہب کی فطری اقدار کے متعلق ہند کی روحانی اور علمی شخصیت راجگوپال اچاریہ نے اس طرح اظہارِ خیال کیا تھا:۔

"تمام ممالک اور تاریخ کے ہر ہر دور میں ـــــ اگر ہم غیر متعصب ذہن کے ساتھ معاملات کا تنقیدی جائزہ لیں ـــــ تو ہم یہ بات دیکھ سکتے ہیں کہ اپنی ہر کوتاہ کاری یا خامی کے باوجود یہ صرف "مذہب ہے جس نے اقدارِ خیر کے شعور کو پروان چڑھایا ہے، ہر قسم کی ترغیباتِ گناہ کے مقابلہ میں انسان کی حفاظت کی اور نیک معرکوں کے لئے جینے، جدوجہد کرنے اور جان دے دینے کی جرأت عطا کی"

(رسالہ الاسلام (انگریزی) کراچی۔ ۱۵ر جنوری ۵۸ء)

یورپ میں تہذیب جدید کا آغاز ہی مذہب کے خلاف ردِ عمل سے شروع ہوتا ہے ـــــ ایک تہذیب جس میں انسانی جذبۂ تخلیق قدرتی تخلیق اور فطری اقدار سے ہم آہنگ ہونے میں ناکام ثابت ہوا ہے۔ ایک تہذیب جس کو انسان کی مادہ پرستی کے مصنوعی میلانات نے تراشا ہے اور انسانیت کے لئے ایک بناوٹی، پرتکلف زندگی کی تعمیر کا زبردست تجربہ کیا ہے۔ اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ جہاں جہاں تک اس تہذیب کا سیلاب پہنچا ہے وہاں وہاں مذہبی صداقتوں اور فطری سادگی پر زوال آتا گیا۔ آج دیہات اور شہر کے درمیان جو نمایاں فرق پایا جاتا ہے وہ اسی حقیقت کی تصویر کشی کرتا ہے۔ دیہات جو تہذیب کی لہروں سے نسبتاً دور رہے فطری سادگی اور سچائی کے زیادہ قریب ہیں۔ اگرچہ ان کی یہ سادگی حقیقی تہذیب سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اجڈ اور اکھڑ ضرور ہے۔ لیکن شہر جو تہذیب کے منجدھار میں واقع ہیں مصنوعی زندگی میں بالکل غرق اور فطری صداقت سے میلوں دور ہیں۔ یہ شہر انسان کی اسی تہذیب کے ارتقائی عمل سے معرضِ وجود میں آئے ہیں تمام علوم و فنون اور ادبیات نے مشینی اور تکنیکی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ذہن کے ان خود پرستانہ مصنوعی رجحانات میں شدت بھی پیدا کی ہے۔ انسانی فطرت کو اب ایک بدلے ہوئے برعکس ماحول میں اس تبدیلی سے خود بھی گذرنا پڑا جو اس کے چاروں طرف ہر شے پر پرتو ڈالتی جا رہی تھی فنی اور مصنوعی رنگینیوں کی طغیانی میں انسان کی "قدرتی تمنائیں" پس منظر میں ڈوبتی چلی گئیں مذہبی مابعد الطبیعاتی میلانات کی کمزوری سے دنیا کا رشتہ باقی کائنات سے ٹوٹتا چلا گیا۔ زندگی کا زاویۂ نظر

دنیوی مادی اور تنگ و محدود ہوتا چلا گیا۔ مادی تہذیب نے دنیا کو انسان کی آخری قیام گاہ کی دیدہ زیب شان و شوکت میں غرق کر دیا۔ دنیا کی ساری زندگی کسی دوسری زندگی اور دوسرے بلند تر مقصد کا ذریعہ بننے کے بجائے اب خود آخری مقصد بن گئی۔ دنیوی زندگی کا استحکام اور مادی خوشحالی ایک منزل کی طرح قلب میں پروان چڑھنے لگی۔ ذاتی مفادات دوسروں کے مفادات سے ٹکرانے لگے۔ تہذیب کے پردہ میں محبت منافقت میں تبدیل ہونے لگی۔ قربانی اور ایثار اب ایک ماہرانہ کاروباری خود کامی کے سانچہ میں ڈھل گئے۔ جہد للحیات کا نظام تہذیب کے مصنوعی حسن و جمال سے آراستہ خود غرضی کے تصادم کو تیز کرتا گیا۔ اور خود غرضی کا یہ سیاہ دھبہ تمام قلب انسانی پر پھیلتا چلا گیا جس نے تہذیب کے قلب کو سیاہ کر کے رکھ دیا! ۔ اور ایسا ہونا ہی تھا! ۔ زندگی اپنی فطرت کے تقاضوں کو ختم نہیں کر سکتی ان کے راستوں کو بدل سکتی ہے۔ خود کو باقی رکھنے کا جذبہ جو مذہب کے زیر سایہ آفاقی اور کائناتی تھا وہ ارضی زندگی کے ہر اخلاقی عمل کے انجام کا انتظار قبر کے بعد کی دوسری زندگی کے حصول تک بخوشی کر سکتا تھا۔ یہ کائناتی نقطۂ نظر ایک وسیع نقطۂ نظر تھا لیکن جیسے جیسے یہ نقطۂ نظر کرۂ ارض تک محدود ہوتا چلا گیا۔ گہوارہ سے قبر تک کے مفادات کی محبت نے ایثار و قربانی کے امکانات ختم کرنا شروع کر دئے۔ دل و دماغ تنگ ہوتے چلے گئے اور زندگی کی بقاء کے جذبات ہولناک حد تک خود غرضی کا شکار ہو گئے۔ اب محبت اور ایثار کے سارے فطری تقاضے مفاد پرستی کے لئے مصنوعی محبت اور کاروباری ایثار کے دل فریب انداز میں تبدیل ہو گئے۔ صورت پورے حسن کے ساتھ باقی رہ گئی مگر روح فنا ہو کر رہ گئی۔

خوبصورت شہری تعمیرات اور انسان کی بدعنوانی سے زمین کی زرخیزی کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کو دور کرنے کے لئے اسی خود غرضانہ مصنوعی زندگی کے ضمیر پر اخلاقی آپریشن کی ضرورت تھی مگر تہذیب جدید اس میں بری طرح ناکام نظر آتی ہے۔

مادی تہذیب کی پر تکلف اور مصنوعی زندگی میں لذت اندوزی اور سہل انگاری کے رجحانات تیزی سے کام کرنے لگتے ہیں۔ مشینی ارتقاء کی مفید خصوصیات کے ساتھ ساتھ مشین کاری نے محنت سے جی چرانے اور سہل پسندی کی خواہشات کو تسکین بھی دی ہے۔ یہ جغرافیائی حقیقت ہے کہ انسانوں کی گھنی

آبادیاں ان زرخیز اور شاداب علاقوں میں زیادہ واقع ہیں جہاں کاشت کاری اور مشین کاری کے آسان مواقع حاصل ہیں۔ اس کے مقابلہ میں جہاں یہ مواقع زیادہ دقت طلب اور محنت طلب ہیں انسانوں کی کم تعداد نے بود و باش اختیار کی ہے۔ یہ سہل انگاری قدرتی طور پر شہروں کے قریب کی ایک ہی زمین پر بار بار کاشت کرنے اور پیداوار کا بوجھ ضرورت سے زیادہ لاد دینے پر منتج ہونی چاہیئے نتیجہ کے اعتبار سے اس جدید تمدنی رجحان سے ایسا ہی ہوا اور مشینی طاقت کے ذریعہ ان خطوں پر کاشت کاری کے تجربات نہ ہو سکے جو جغرافیائی طور سے بود و باش اور زراعت کے لئے "سخت میدان" کی حیثیت رکھتے ہیں مگر جن کو سائنس اور مشین کی آگ سے "نرم" بنا دینا اب امکانات کی سیدھی سی بات بن کر رہ گیا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ سائنٹیفک طاقتیں، تکنیکی فہم و شعور اور مشینی و آلاتی ترقی وغیرہ اس نئی تہذیب کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔ لیکن جدید تہذیب و تمدن کے سائے میں جو خود غرض اور مصنوعی زندگی کا ذہن تیار ہوتا ہے وہ اس ارتقاء اور عام انسانی استفادہ کے درمیان ایک دیو ہیکل چٹان کی طرح ایستادہ ہے سائنس کی مدد سے ہزاروں بے کار زمینیں بحال کی جا سکتی تھیں، سیکڑوں بنجر، بے آب و گیاہ علاقے قابل کاشت بنائے جا سکتے تھے اور عناصر اور جرثیم کی فوج کا مقابلہ کر کے فصلوں کا تحفظ کیا جا سکتا تھا لیکن جنگ کے محاذ پر اسلحہ جات کی ریس میں لگی ہوئی سائنس ان پر امن تعمیری میدانوں سے نظر پھیرے ہوئے چل رہی ہے۔ سائنس کے عظیم کارنامہ "جوہری توانائی" کے ذریعہ زراعت کی دنیا میں جو حیرت ناک انقلاب لایا جا سکتا ہے وہ آج عام آدمی تک کے لئے کوئی سربستہ راز نہیں۔ ہندوستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کے صدر نے ایک بار اس باب میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایٹمی توانائی کے ذریعہ بلا کسی خاص زحمت کے فصلوں کو کئی گنا بڑھایا جا سکتا ہے۔ امریکن رپورٹر نئی دہلی کے کتابی ضمیمہ زیر عنوان ڈیماکریسی (Democracy) مورخہ ۲۰ جون ۵۶ء میں اس ضمن میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا گیا ہے:-

"ریڈیو ایکٹو ایٹم (ISO TOPES) کے ذریعہ اہم زراعتی معلومات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسی بنا پر اب یہ جاننا ممکن ہو گیا ہے کہ زرخیزی کے لئے کس قدر کھاد کی ضرورت ہے، ہر قسم کی فصل کے لئے کس قسم کی کھاد مناسب ترین رہے گی، اور پودے کی جائے وقوع کے لحاظ سے کس جگہ پر اس کا استعمال بہتر نتائج پیدا

کرے گا۔ سائنسداں اب پالا، گھُن اور پودوں کی دوسری بیماریوں کو باہر نکال دینے کی شاہراہ پر آ لگے ہیں۔"

"ایٹمی تابکاری کے ذریعہ نئے قسم کے پودوں کو نشو و نما دینا بہت جلد تاریخ زراعت کا اہم ترین واقعہ بن جائے گا۔ (ڈاکٹر ڈبلیو رلف سنگل ٹن)

لیکن ہم حیرت سے دیکھتے ہیں کہ ان عظیم سائنٹیفک طاقتوں والی تہذیب ہیروشیما اور ناگاساکی کی سیکڑوں فصلوں کو تباہ کرنے کے معرکہ سے فارغ ہو کر آج زراعت کے اس خوش آیند انقلاب کی نوید سنا رہی ہے! درحقیقت سائنس بھی تہذیب و تمدن کی اسی مہذّب، سہل انگار خود پرستی اور درندگی کے قدموں پر سجدہ ریز ہے جس نے موجودہ تمدّنی محلوں کو انسانی خون اور گوشت سے تعمیر کیا ہے۔ قومی خودغرضی کے محاذ پر ان عملی طاقتوں کی برق رفتار جستی اور امن و ایثار کی سمت میں مضمحل و سُست دیکھ کر جارج برنارڈ شا کے وہ الفاظ حقیقت بن کر سامنے آجاتے ہیں کہ جنگ کے لئے تحیر خیز انکشافات کرنے والا دماغ زمانۂ امن میں سوئی ایجاد کر سکتا ہے!

واقعہ یہ ہے کہ بادیٔ النظر میں مختلف وجوہ سے زمین کی زرخیزی اور پیداوار گھٹ رہی ہے مگر باطنی طور پر خود انسانی ضمیر تمدّن کے ایک چمکدار پتھر اور نشین کے ایک طاقتور فولادی ٹکڑے میں تبدیل ہو کر اخلاقی اعتبار سے بنجر ہوتا چلا جا رہا ہے!

اضافہ آبادی کی شکایت کیوں اضافۂ آبادی ایک دوسرا مسئلہ ہے جو ایک طرف بڑی حد تک زرخیزی کی تباہی سے ہی نکلا ہے تو دوسری طرف انسان کی بعض المناک تنگ خیالیوں پر سے پردہ اٹھاتا ہے ہمیں اس مسئلہ پر دو مختلف زاویوں سے نظر ڈالنی چاہیئے۔ اول یہ کہ اس مسئلہ کی حقیقت حال کیا ہے دوم یہ کہ آبادی اور پیداوار کے درمیان عدم توازن کی حقیقت کیا ہے؟۔

اضافۂ آبادی کا براہ راست تعلق انسان کے جنسی جذبات و تعلیمات سے ہے۔ یہ جذبہ جس قدر اعتدال کے دائرہ میں رہے گا آبادی کو بھی اعتدال کے حدود میں رکھے گا۔ یہ جذبہ جس قدر بے قابو اور انتہا پسندانہ ہوگا نسل انسانی میں اتنا ہی قابو سے باہر ہمہ گیر اضافہ ہوگا۔ نئی تہذیب میں جنسی مزاج پایا جاتا ہے۔ دونوں صنفوں کے بے روک ٹوک آزاد رابطہ اور اختلاط نے نفسانی اور جنسیاتی ہیجانات

میں سرگرم مدہوشی پیدا کی ہے جس کے نتیجہ میں نئی نسل نے دنیا کو بچے پیدا کرنے کا گھر بنا دیا ہے۔ اب دنیا کے بڑے حصہ میں جنسی اختلاط کے لئے شادی اور ازدواج کی کوئی اخلاقی قید نہیں ہے۔ غیر قانونی پیدائشیں جن کا ہر طرف دور دورہ ہے اس تلخ حقیقت پر شاہد ہیں۔ آج ایک کمسن بچہ جو ماضی میں جنس کے شعور کا وہم بھی نہ کر سکتا تھا اچھا خاصا جنسی شعور رکھتا ہے۔ جوانی کی سرحدوں کو چھوتے چھوتے یہ شعور ایک جنسی دیوانگی میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے جس کو ماحول کی فلمی اور ادبی ہوائیں چنگاری سے آتش کدہ بنانے میں پورا کام کرتی ہیں۔ اس کے ہولناک نتائج جب کثرت آبادی کی شکل میں سامنے آتے ہیں تو ماہرین مادیات ضبط تولید کے لئے چیختے ہیں تاکہ تخلیقی مرحلہ میں ہی معصوم روحوں کو گوناگوں طریقوں سے ہلاک کر ڈالا جائے! یہ رجحان بھی جنسی بے راہ روی پر شاہد ہے کیوں کہ جنسی شدت کا نتیجہ ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان میں خود غرضی، لذت پرستی اور خوں آشام بربریت کا جوالا مکھی پھوٹ پڑتا ہے اور اپنی پرسکون لذت اندوزی کے لئے بڑی سے بڑی چیز کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ ذہنیت بھی جدید تہذیب تمدن کی پیداوار ہے۔ کیوں کہ جب لذت و آسائش کی حسین فضائیں تیار ہو گئی ہوں اور لذت اندوزی کی اخلاقی حد بندی نہ ہو تو زندگی ہر لذیذ گناہ کا تجربہ کرنے پر مجبور ہے۔

یہ وہ دور ہے جب کہ انسان کی عظمت کے راگ گائے جا رہے ہیں۔ قدرت پر اس کی طاقت اور تسخیر کے کارناموں کو سراہا جا رہا ہے۔ اور انسان کو "مافوق الانسان" اور بلند ترین مخلوق بنانے کے نظریات بڑی فن کاری سے ڈھالے جا رہے ہیں۔ لیکن دوسری طرف عملی دنیا میں اس کے لئے ضبط تولید کا پرچار ہو رہا ہے۔ اس کی آبادی کے اضافہ کو زمین کی تہذیب کے لئے خطرہ بتایا جا رہا ہے! کس قدر شاندار تضاد کا کھیل ہے یہ!۔

جہاں تک غذا کے ذخیروں کی کمی کا تعلق ہے وہ اس قدر کم نہیں جتنے نظر آتے ہیں۔ انسان کے پیدا کردہ قحط اور بلیک مارکٹ کی خبروں سے کون آشنا نہیں ہے؟ دیہات کے سیلابوں کے وقت غلوں کے مینار ٹھیک اس وقت پانی کی موجوں پر بہتے دیکھے گئے ہیں جب کہ اس علاقہ میں انسان بھوکے مر رہے تھے اور غلہ کی کمی کی عام شکایت تھی! ماہرین مادیات کا ایک گروہ یہ رائے بھی رکھتا ہے کہ غذا کی کمی کے

مقابلہ میں غذا کی غیر دیانت دارانہ فروختگی و تقسیم بھوک کے پھیلانے کی ذمہ دار ہے۔ یہ نظریہ اس قدر استحکام حاصل کر چکا ہے کہ اس کے آہنگ میں جمہوری رائے میں انقلابی اشتعال پیدا کئے جا رہے ہیں۔ گویا ضبط تولید اور غلّہ کے ذخیروں پر قبضہ کرنے کے دونوں مادی نظریوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام غلّہ حاصل کرنے کے بعد جس قدر آبادی کے لئے کافی ہو سکے اس کو باقی رکھا جائے اس کے علاوہ جو روحیں آنے والی ہیں ان کو ہلاک کر کے آبادی اور ذخیرہ غذا میں توازن پیدا کیا جائے! اگر حقیقت یوں ہی ہے تو شاید انسانی تاریخ میں اس سے زیادہ یاس انگیز نظریہ کوئی نہیں ہو سکتا! ۔ اور ـــــ بظاہر حقیقت یوں ہی نظر آ رہی ہے!۔

درحقیقت اضافۂ آبادی یا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں اور اگر ہے تو کوئی نیا مسئلہ تو ہرگز نہیں ہے۔ تاریخ کی ابتدار سے آبادی اور غذا کے دائرہ میں ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جیسے جیسے انسانوں میں اضافہ ہوا زیادہ انسانوں نے زیادہ پیداوار کے طریقے معلوم کر کے زمین کے سینہ سے غذا کے ذخیرے نکالنے شروع کر دیئے۔ لیکن ایک عرصہ سے آبادی اور پیداوار کے اضافہ میں توازن ختم ہو چکا ہے۔ آبادی جس جنسی مزاج کے زور میں زیادہ شدت سے بڑھتی رہی اتنی تیزی سے غذا اور پیداوار کے اضافہ کی کوشش نہیں ہو سکی۔ اب رفتہ رفتہ یہ توازن اس قدر بگڑ چکا ہے کہ آبادی اور پیداوار کے دونوں سروں کو ایک دم ملا دینا ناممکن نظر آنے لگا ہے۔ اس کے برخلاف اگر آبادی اور پیداوار کا توازن برقرار رکھتے ہوئے پہلے سے سماجی، اجتماعی جدوجہد جاری رہتی تو آبادی کا اضافہ ایک بلا، نظر نہ آتا۔ بلکہ اس اضافہ کے ذریعہ زیادہ دماغ، زیادہ ہاتھ پاؤں زرخیزی کی طاقت بڑھانے اور پیداوار گنی در گنی کرنے میں مدد دیتے۔ ضبطِ تولید کا پرچار کرنے والے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہر آنے والی روح دنیا سے جس قدر لیتی ہے اس سے کہیں زیادہ دیتی بھی ہے!۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس سے اس کی صلاحیتوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے ایک صحیح انسانی معاشرہ اور اجتماعی ماحول پہلے سے چاروں طرف موجود ہو۔ زمین کے اوپر اس وقت جتنے انسان سانس لے رہے ہیں ان کو ایک اجتماعی شعور کے ساتھ حرکت میں لانے کی دیر ہے جس کے بعد موجودہ سائنٹیفک طاقتوں اور انسانی طاقت (Man Power) کے ذریعہ قحط رسیدہ دنیا کو بآسانی فصلوں سے لبریز کیا جا سکتا ہے اور ہر آنے والا نیا انسان اس مہم کو اور آگے اور آگے بڑھا سکتا ہے۔

اگر سائنس کا یہ مفروضہ صحیح ہے کہ کائنات متوازن ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ قدرت نے آبادی اور پیداوار کے امکانات میں توازن قایم نہ رکھا ہو! ۔ لیکن اس حقیقت کا احساس وہ باپ اور وہ مائیں کیا کر سکتی ہیں جو ضبط تولید کی کُند چھری سے اپنی اولاد کو زندگی سے پہلے ہی ہلاک کر ڈالتی ہوں ۔ ان کی گنہگار فطرت اضافۂ آبادی کے سلسلہ میں اپنی خود غرض خوں آشامی کو اپنے آپ سے اور دنیا سے چھپانے کے لئے سیکڑوں غیر متعلق اور غیر حقیقی وجوہ و اسباب تلاش کر کے اضافۂ آبادی کے مسئلہ کو حل کرنا چاہتی ہے ۔ اصل حقیقت سے اغماض کر کے پرچھائیوں سے لڑنا اسی کا نام ہے! ۔

۳ ۔ دولت کی غلط تقسیم کا نظریہ | یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ بھوک کے پھیلاؤ میں دولت کی غلط اور غیر منصفانہ تقسیم اور حق ملکیت کی بدعنوانی کو بہت بڑا دخل ہے ۔ لیکن مادہ پرست نقطۂ نظر سے اس کا جو علاج سوچا جا رہا ہے وہ ایک خوبصورت فریب کے سوا کچھ نہیں! ۔ کسی مغربی مفکر نے سچ کہا تھا کہ "کمیونزم جہاں پر ختم ہوتا ہے وہاں سے مذہب کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں" ۔ مادہ پرست نظریات جن کی بہترین مکمل شکل کمیونزم ہے اقتصادی ناانصافی کے نظریہ پر ختم ہو جاتے ہیں ۔ اس سے آگے ان میں کوئی "کیوں" نہیں ہے ۔ مذہب اس سوال کو اٹھاتا ہے کہ اقتصادی ظلم و ناانصافی کیوں ہوتی ہے آخر؟ اور پھر اس کا سیدھا اور صاف جواب دیتا ہے کہ "اخلاقی ذمہ داریوں کے فقدان سے" ۔ عام زندگی میں اخلاقی احتسابِ نفس کا عادی انسان ہرگز خود غرضی کی قربان گاہ پر جذبۂ ایثار کے سینہ میں خنجر اتار دینے کی جسارت نہیں کر سکتا ۔ زندگی کے ہر موڑ پر اخلاقی زوال سے معاشی ظلم و استبداد پیدا ہوتا ہے ۔ اس لئے اقتصادی ناانصافی سے دست بردار ہونے کے لئے اقتصادیات کی پرستش کے بجائے اخلاقی اقدار کو بلند کرنے کی ضرورت ہے ۔

درحقیقت کمیونزم خود سرمایہ داری کا ردِ عمل ہے ۔ وہ کوئی مثبت عمل نہیں ۔ اس کو زیادہ سے زیادہ مثبت ردِ عمل کہا جا سکتا ہے ۔ ہر ردِ عمل جس عمل کے خلاف ہوتا ہے اس میں اس عمل کے جراثیم بدرجۂ اتم پائے جانے ضروری ہیں بشرطیکہ ردِ عمل سوائے جذباتی بازگشت کے کچھ نہ ہو ۔ کسی کے غصہ کے جواب میں بلا سوچے سمجھے غصہ آجانے سے اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ جوابی غصہ زیادہ

شدید اور بے قابو قسم کا ہوگا۔ اگر زیادتی نہ بھی ہو تو اس جوابی اقدام پر سوائے غصہ کے کوئی صحیح لفظ چسپاں کرنا مشکل ہوگا۔ کمیونزم کا یہی حال ہے کہ وہ سرمایہ داری سے بغاوت کرتا ہے مگر سرمایہ سے نہیں، دولت کی غلط تقسیم سے جنگ کرتا ہے مگر دولت کی قدر و قیمت کو تسلیم کرتے ہوئے! اس کا منشا بر سوائے اس کے کچھ نہیں کہ دولت جس پر چند لوگوں کا قبضہ ہے بہت سے انسانوں کے قبضہ میں آجائے اور ان چند لوگوں سے چھین لی جائے۔ حالانکہ اصل سرچشمۂ فساد یہ حقیقت ہے کہ "دولت" نے زندگی میں غیر معمولی اور ضرورت سے زیادہ وقعت حاصل کرلی ہے۔ اور ہر انسان، ہر گروہ اور ہر قوم زندگی میں وقیع پوزیشن حاصل کرنے کے لئے دولت کے ذرائع پر زیادہ سے زیادہ اجارہ داری حاصل کرلینا چاہتا ہے۔

کمیونزم کے مطابق سرمایہ دار کے دل میں انسانی محنت سے ہمدردی و محبت کے بجائے دولت اور "قدرِ زائد" بچا لینے سے محبت ہوتی ہے۔ وہ دولت کو صرف دولت کے لئے جمع کرتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل لوٹ کھسوٹ کی جڑ دولت اور اس کی محبت ہوئی۔ کمیونزم دولت کی اس بھوک کو مٹاتا نہیں بلکہ خوبصورت نظریہ کے پردہ میں عوامی پیمانہ پر اس کو مشتعل کر دیتا ہے۔

پھر یہ بات بھی ناممکن نہیں کہ دولت کی اس وقعت کو انسانی نگاہ میں کم کر کے اصل معمول پر لے آیا جائے کیوں کہ ماحول میں اپنی شخصیت کو وزنی بنانے کے لئے دولت کے علاوہ اور بہت سی حقیقتیں بھی ہیں۔ مثلاً اپنی مسرت کو دوسروں کی مسرت کے ذریعہ حاصل کرنے کا شوق، فرد کی تعمیر ذات کے بجائے پوری سوسائٹی کی تعمیر کا جذبہ۔ لذت و آرائش کے بجائے صداقت اور سادگی کی عظمت کا یقین۔ پھر یہ بات عملی طور پر ہمارے سامنے ہے کہ جو لوگ اس عام انسانی فلاح و بہبود کے نیک اصول اور اونچے اخلاقی آدرشوں کے حامی ہوتے ہیں وہ اکثر مفلسی اور معمولی لباس کے باوجود سوسائٹی میں اس سرمایہ دار سے کہیں زیادہ وقیع اور موثر ہوتے ہیں جو دولت کے انبار رکھتا ہے اور خوبصورت زرق برق لباس زیبِ تن کئے ہوئے ہوتا ہے۔ خود تاریخ اس کی شاہد ہے کہ بڑے سے بڑے کروڑپتی انسان کے مقابلہ میں ایسی ہی شخصیات کو تاریخ نے اپنے بلند ترین صفحات میں جگہ دی ہے۔

کمیونزم اس بنیادی علاج میں ناکام ہے۔ وہ دولت کی غلط پوزیشن کو مٹانے کے بجائے عوام

میں اس کو چھین لینے کے جذبات کو اشتعال دیتا ہے اور اس طرح دولت کی محبت کو کم کرنے کے بجائے کچھ اور بڑھا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل اقدام سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے وہ عوامی اور اجتماعی بہبود کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے مجبوراً جبر کے غیر فطری طریقہ کو اختیار کرتا ہے اور زبردستی سماج کی ناہمواریوں کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ "جبر" انسان کے اندر ہرگز وہ گہرا جذبۂ عمل پیدا نہیں کر سکتا جو اختیاری طور پر اس کے قلب کو اپیل کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس سے سطح بدل سکتی ہے مگر گہرائیوں میں کوئی انقلاب نہیں آتا۔ یہ کام اخلاقی تمیز پیدا کر کے پورا ہو سکتا ہے جس سے کمیونزم مذہب دشمنی کی وجہ سے ناآشنا ہے۔ اقتصادی انصاف اور تقسیم دولت کے لئے اجتماعی دردمندی اور عوامی بہبود سے محبت کا جذبہ دل و دماغ کی اخلاقی تبدیلی سے وجود میں لایا جا سکتا ہے۔ جبر و تشدد اور طاقت کے ذریعہ یہ جذبہ مستقل طور پر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ "جبر" سے انسانی فطرت کو نفرت ہے کہ وہ حق و باطل کے تجربات کی آزادی چھین کر ذہنی ارتقار کو روک دیتا ہے۔ آج کمیونزم کے سلسلہ میں یہ بات ثابت کرنے کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں کہ وہ دولت و اقتدار کی بھوک کو مصنوعی طریقوں سے صرف عارضی طور پر پرسکون بنا سکا ہے۔ کیوں کہ حالیہ ہنگری کی بغاوت اور خود روس کے سیاسی بحران کے پیش نظر مشاہدہ کی بنیادوں پر کمیونزم کی یہ نفسیاتی خامیاں آنکھوں سے دیکھی جا رہی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مشاہدہ کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ سورج کو چراغ دکھانے کی حماقت کسی کے نزدیک ضروری نہیں!۔ ہنگری کی بغاوت کے سلسلہ میں ہنا میں روس کی خبر رساں ایجنسی "تاس" کی طرف سے جو کتاب "True facts on Canents in Hagre." (ہنگری کے واقعات کی اصل حقیقت) شایع ہوئی ہے اس میں صاف طور سے اعتراف کیا گیا ہے کہ یہ عوامی اضطراب ایک حد تک نظام حکومت میں افراد کی نالائقی کے خلاف بجا ردعمل تھا۔ کمیونزم کے قلب روس میں مارشل اسٹالن کے فولادی پنجہ سے نجات پاتے ہی سیاسی رسہ کشی، جوڑ توڑ اور غداری کے ہنگامے آئے دن اخبارات کے کالموں سے گذر رہے ہیں۔ یہ سب واقعات اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ جبر و تشدد کے ذریعہ سرمایہ دارانہ بھوک کی ذہنیت کو مٹانے کے لئے کمیونزم کا نفاذ ہمیشہ کے لئے ممکن نہیں اور اس